© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

یُوں تو جماعت اسلامی پر اس کی تشکیل کے وقت ہی سے مہربانوں کی "عنایات" کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن گزشتہ چند سالوں میں ان میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب اس پر مختلف "کرم فرماؤں" کی طرف سے نئی فردِ جرم عائد نہ کی جاتی ہو۔ برسرِ اقتدار طبقے، تجدّد پسند حضرات، قادیانیوں، منکرینِ حدیث اور دوسرے اہلِ غرض لوگوں کی طرف سے بے بنیاد الزامات کی یورش کے وجوہ تو پوری طرح سمجھ میں آتے ہیں لیکن ہمیں اُن اصحابِ علم کے تفقّہ فی الدین پر حیرت ہوتی ہے جو حالات کی نزاکتوں اور دینی مصالح کو جانتے ہوئے بھی جماعت کو مطعون کرنا بہت بڑی دینی خدمت سمجھتے ہیں۔

الزامات اور اتہامات کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہیں یونہی کسی وقتی جوش اور ہیجان میں یہ کر نہیں گھڑا گیا بلکہ ان کے پیچھے بڑی ہوشیاری، چابکدستی اور ہنرمندی کارفرما نظر آتی ہے اور ایک انسان بادنیٰ تأمل محسوس کر لیتا ہے کہ ان کے اندر سنگینی پیدا کرنے کے لیے کتنی مہارتِ فن صرف کی گئی ہے۔

جماعت اسلامی اول روز سے جس مقصد کے حصول کے لیے اپنی بساط کے مطابق سرگرمِ عمل ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ کا دین غالب ہو اور امتِ مسلمہ اپنے اُس فرض سے باحسن طریق عہدہ برا ہو جو "امتِ وسط" کی حیثیت سے اُس پر اللہ تعالیٰ نے عائد کیا ہے۔ خدمتِ دین ہی اس جماعت کا واحد مقصد اور جوہرِ حیات ہے اور اسی غرض کے لیے وہ اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمت اور قوت کے مطابق عمل کر رہی ہے۔ اس راہ میں اُسے جس قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اُس سے پوری دنیا واقف ہے۔ اپنوں اور پرایوں کی طعن و تشنیع، فتویٰ بازیاں، املاک کی ضبطی، نہ صرف ارکان بلکہ ہمدردوں اور متفقین تک کی سرکاری اور نیم سرکاری اداروں سے بے دخلی، اور قید و بند کی صعوبتیں کسی دنیاوی مقصد کے لیے برداشت نہیں کی گئیں۔ جو شخص اس ملک کے سیاسی اور معاشی حالات پر نگاہ رکھتا ہے اُس کے لیے یہ چیز سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اگر اس جماعت کے پیشِ نظر کوئی دنیاوی غرض ہوتی یا اس کی جدوجہد کا مقصود سیاسی اور معاشی مفادات کا حصول ہوتا تو اس کے لیے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا کچھ دشوار نہ تھا۔ جس ملک میں سیاسی طالع آزماؤں کو حالات سے فائدہ اٹھانے کے مواقع ہر وقت میسر ہوں، اُس میں جماعت اسلامی اگر چاہتی تو بڑی آسانی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکتی تھی۔ لیکن یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیشہ دین کو دنیا پر ترجیح دی اور ہمیشہ ہر قدم دینی نقطۂ نظر سے حالات کا جائزہ لے کر ہی اٹھایا۔ اس راہ میں نہ تو اپنوں کی مخالفت اسے راہِ راست سے ہٹا سکی اور نہ حکومت کا جبر و قہر ہی اس کی راہ کھوٹی کر سکا۔ یہ محض ہمارے مولا کا ہم پر احسان ہے۔ اس کے لیے ہم اُس کے حضور میں جتنا شکر بجا لائیں اُسی قدر کم ہے۔

جماعت کے اس پاکیزہ مقصد اور اس مقصد کے حصول کے لیے اُس کی حقیر سی جدوجہد اور ایثار کو سامنے رکھ کر ذرا اُن حضرات کی فنکاری کا اندازہ لگائیں جو اپنا سارا زور اس بات کو ثابت کرنے میں صرف کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی حصولِ اقتدار کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہیں رکھتی اور اس طرح وہ دین کے نام پر دنیا کا کاروبار چمکا رہی ہے۔ یہ بڑا سنگین الزام ہے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ دین دار لوگوں کی زبان سے یہ الزام سُن کر دل و دماغ کا پورا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے اور انسان سوچنے لگتا ہے کہ واقعی کیا جماعت اسلامی اور اُس کے امیر دین کے نام پر لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور ان کی جدوجہد سے دین کو فائدہ پہنچنے کے بجائے اُسے ناقابلِ تلافی نقصان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہنچ رہا ہے؟

اِس سوال کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک غیر جانبدار اور مخلص انسان کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ اُن کارروائیوں پر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور کرے جن سے اِہدامِ دین کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ مگر جماعت کے "دین دار" کرم فرماؤں کی طرف سے اِس جُرم کے ثبوت میں وقتاً فوقتاً جو دلائل و شواہد پیش کیے جاتے ہیں اُن کا جائزہ لینے کے بعد سوائے مایوسی کے کوئی چیز ہاتھ نہیں آتی اور انسان محسوس کرتا ہے کہ اُن میں دنیا داروں کے سکھاتے ہوئے پراپیگنڈے کے فن سے پُوری طرح استفادہ کیا گیا ہے۔

ان صفحات میں سارے الزامات کی فہرست پیش کر کے ان پر بحث کرنا اس وقت ممکن نہیں ہے۔ لیکن آج کل محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کے سلسلے میں جماعت اسلامی کو جس طرح دشمنِ دین و ملت ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا جا رہا ہے اسی سے اس الزام کی صحت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یہ بالکل واضح بات ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد کے دائرۂ کار کے درمیان ایک واضح خطِ امتیاز کھینچا ہے۔ عورت کو گھریلو ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں اور مرد کو اجتماعی ذمہ داریوں کا اہل قرار دیا گیا ہے۔ اسی اصول کی بنا پر اسلامی ریاست کی سربراہی کے لیے دوسری صفات کے ساتھ ساتھ اس امر کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ بارِ گراں کسی مرد کے کندھوں پر ہی ڈالا جائے۔ یہ اسلام کا ایک عام اصول ہے اور اسی کی صراحت امیر جماعت اسلامی نے اسلامی ریاست، تفسیر سورۂ احزاب اور اپنی مشہور کتاب "پردہ" میں کی ہے۔ یہ بات ہم کسی جذبۂ فخر سے نہیں بلکہ محض تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتے ہیں کہ عورت اور مرد کے دائرۂ کار کی وضاحت جس خوبی کے ساتھ جماعت کے لٹریچر میں کی گئی ہے اُس کی نظیر دورِ جدید کے دینی ادب میں نہیں ملتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا محترم نے اس ضمن میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل صحیح سو فیصد درست اور اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد کے دائرۂ کار کے بارے میں جو اصول دیئے ہیں ہم اُن پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں اور اُن کے اپنانے ہی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر ہم اس بات کے دل و جان سے قائل ہیں کہ کسی اسلامی ریاست میں سربراہی کے منصب پر کسی خدا ترس اور مدبر مرد کو ہی فائز ہونا چاہیے۔ یہ شریعت کا ایک عام قاعدہ ہے جس کا نہ ہمیں کبھی پہلے انکار تھا اور نہ اب ہے۔ لیکن اس اصول کو پوری طرح تسلیم کرنے کے باوجود آج اگر جماعت نے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کا فیصلہ کیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے جیسا کہ معترضین الزام لگاتے ہیں، کہ ہمیں دین کے مقابلے میں اب دنیا عزیز نظر آنے لگی ہے، یا ہمیں اس قاعدے کی صداقت اور صحت کے بارے میں یقین نہیں رہا، یا سیاسی ہیجان نے ہمارے فکری جہاز بے لنگر کر دیئے ہیں اور اب ہم حالات کے تھپیڑوں کے ساتھ اپنے آپ کو بہنے پر مجبور پاتے ہیں، یا خود غرضیوں نے ہمیں اتنا اندھا کر دیا ہے کہ ہمیں اب اپنی تحریریں نظر نہیں آتیں، یا مفاد پرستی کی وجہ سے ہمارے دل و دماغ اتنے ماؤف ہو چکے ہیں کہ ہم حق و باطل کے درمیان کوئی تفریق نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے شریعت کے اصولوں کو بڑی بے تکلفی کے ساتھ پامال کرتے چلے جا رہے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم عام حالات اور خاص حالات کے اُس فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں جسے شریعت نے اپنے احکام میں ملحوظ رکھا ہے، اور ہم پوری بصیرت کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ جن خاص حالات سے اس وقت ہمیں سابقہ درپیش ہے اُن میں ہم کو خود شریعت ہی کے دیئے ہوئے ایک دوسرے قاعدے کی پیروی کرنی چاہیے، کیونکہ ان حالات میں عام قاعدے پر اصرار کرنے سے اُن مقاصد کو نقصان پہنچ جانا یقینی ہے جو شریعت کی نگاہ میں زن و مرد کے دائرۂ کار کی تفریق سے اہم تر ہیں۔

دراصل جماعت اسلامی کے موقف کو سمجھنے میں لوگوں کو بار بار جو الجھنیں پیش آتی ہیں ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ یہ ہے کہ یہ جماعت محض اصحابِ درس و تدریس یا اربابِ افتاء کا کوئی گروہ نہیں ہے جن کا کام بیانِ مسائل سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو عمل کی دنیا میں دینِ حق کو بالفعل قائم کرنے کا نصب العین لے کر اٹھی ہے اور اس نصب العین کے لیے اس کو گوناگوں عملی حالات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ مزید براں یہ جماعت اب اُس مقام پر بھی نہیں رہی ہے جہاں اس کا کام محض شہادتِ حق کا ابتدائی فریضہ انجام دینے سے زائد کچھ نہ تھا، بلکہ اب یہ ترقی کر کے اُس منزل میں پہنچ چکی ہے جہاں وہ ملک کے نظامِ زندگی پر براہِ راست اثر انداز ہو سکتی ہے، اور ملک کے لوگ بھی اب اس سے محض بیانِ مسائل سننے کی نہیں بلکہ عملی زندگی کے مسائل کو حل کرنے اور ان میں رہنمائی دینے کی توقع رکھتے ہیں۔ اس طرح کا نصب العین رکھنے والی ایک دینی جماعت جب اس منزل میں پہنچ جائے تو اس کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ ہر پیش آمدہ مسئلے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ دیکھے کہ جن حالات میں وہ مسئلہ پیش آیا ہے ان کی نوعیت کیا ہے اور اُن میں کونسی راہ اختیار کرنا اقامتِ دین کے مقصد تک پہنچنے کے لیے زیادہ انسب ہے۔ اگر شریعت کا ایک قاعدہ اُن خاص حالات میں رُوبعمل نہ لایا جا سکتا ہو، یا اس پر عمل کرنے سے اِس مقصدِ عظیم کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، تو یہ جماعت سخت بے بصیرت ہو گی اگر ایسے مواقع پر خود شریعت ہی کے اُن اصول و قواعد سے رجوع نہ کرے جو قرآن و سُنّت اور کتبِ فقہیہ میں خاص اور غیر معمولی حالات کے لیے پائے جاتے ہیں۔ اِس طرزِ عمل پر اصول سے انحراف کا الزام اگر جاہل لوگ لگائیں تو چنداں موجبِ حیرت نہیں ہے۔ مگر جب اہلِ علم اس طرح کی باتیں کریں تو آدمی کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ فقدانِ علم ہے یا کتمانِ علم۔

کیا جماعتِ اسلامی پر الزام لگانے والے اِن حضرات سے کتبِ فقہیہ کے وہ ابواب چھپے ہوئے ہیں جو "دین میں مصلحت و ضرورت کا لحاظ" کے عنوان پر ہیں؟ کیا وہ تغیّرُ الفتوٰی واختلافھا بحسب تغیر الازمنۃ والامکنۃ والاحوال والنیات والعوائد کے اہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولی قاعدوں سے ناواقف ہیں؟ اگر وہ ان چیزوں سے بے خبر نہیں ہیں تو براہِ کرم وہ ایمانداری کے ساتھ بتائیں کہ جماعت کے موقف میں وہ اسلام سے کس نوعیت کا انحراف دیکھتے ہیں؟
ہم ایسے حضرات کی خدمت میں بڑے احترام سے گزارش کرتے ہیں کہ براہِ کرم دین کے مزاج اور حالات کی حقیقی نوعیت کو سامنے رکھ کر جماعت اسلامی کے طرزِ عمل کا جائزہ لیں اور پھر دیکھیں کہ آخر اس کا وہ کونسا ایسا فعل ہے جس سے اہدام دین کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اگر جماعتِ اسلامی کے حالیہ فیصلے کے بارے میں کسی جدید تعلیم یافتہ شخص کے ذہن میں خلفشار پیدا ہوتا تو یہ چیز کسی اعتبار سے موجبِ حیرت نہ ہوتی۔ لیکن ہمیں حیرت اُن حضرات کی الزام تراشیوں پر ہے جو اسلامی شریعت کے نظام پر پوری نظر رکھتے ہیں، اس کے مزاج کو جانتے ہیں اور اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ اسلام میں بالکل فطری طور پر احکام کے درمیان اہمیت کے اعتبار سے ایک خاص نسبت پائی جاتی ہے اور اس امر کی پوری گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کسی وقت زمان و مکان کے حالات کی وجہ سے دین کے دو احکام یا اصولوں یا مقاصد کے درمیان عملاً تضاد واقع ہو جائے (یعنی دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہ رہے) تو شرعی نقطۂ نظر سے کم تر اہمیت رکھنے والی چیز کو زیادہ اہمیت رکھنے والی چیز کی خاطر اس وقت تک ترک کر دینا چاہیے جب تک دونوں پر ایک ساتھ عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اِسی طرح اسلام میں عام حالات اور خاص حالات کے فطری فرق کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور خاص حالات میں حقیقی ضروریات یا مجبوریوں کی بنا پر ناگزیر حد تک ایسے کاموں کی رخصت دی گئی ہے جو عام حالات میں ممنوع ہیں۔ اسلام کے یہ اصول جن کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے، اور جن کے تحت محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت کی تائید کی گئی ہے، جماعت اسلامی کے کسی فرد کی ذہنی اختراع نہیں ہیں، بلکہ یہ وہ اصول ہیں جن پر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جلیل القدر رفقاءِ کار اور ان کی پیروی میں امت کے لاکھوں صلحاء نے عمل کیا ہے۔ ان اصولوں کا ذکر بڑے واضح الفاظ میں قرآن مجید میں ملتا ہے، ان کی تائید حضور سرورِ دو عالمؐ کی سنت سے ہوتی ہے، آثارِ صحابہ ان کی صحت پر شاہد ہیں اور امت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہاء نے انہیں بڑی شرح و بسط کے ساتھ مدون کیا ہے۔ ہم اس سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے علمائے سلف کی تشریحات پیش کرتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا فہمِ قرآن میں جو بلند مرتبہ اور مقام ہے وہ کسی اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "الاتقان فی علوم القرآن" قرآن فہمی کے موضوع پر ایک مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں ایک مقام پر قاضی جلال الدین البلقینی کا یہ قول نقل کیا ہے:

ما من عام الا و یتخیل فیه التخصیص فقوله یا ایها الناس اتقوا ربکم قد یخص منه غیر المکلف وحرمت علیکم المیتة خص منه حالة الاضطرار و منه السمک والجراد وحرم الربا خص منه العرایا۔
(جلد دوم ص ۱۶ مطبعۃ الازہریہ مصر)

کوئی عموم ایسا نہیں جس میں تخصیص کا تصور نہ کیا جا سکتا ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لوگو، اپنے رب سے ڈرو"۔ اس حکم سے غیر مکلف مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ حکم کہ "حرام کیا گیا تم پر مردار"، اس سے حالتِ اضطرار اور مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ حکم کہ "حرام کیا گیا سود"، اس سے عرایا مستثنیٰ ہیں۔

اس کے بعد علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قاضی جلال الدین البلقینی کے اس عموم و خصوص کے اصول پر زرکشی نے البرہان میں یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن مجید کی بیشمار آیات ایسی ہیں جن میں کوئی خصوص نہیں، مثلاً وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا، وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا، اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ۔ اس اعتراض کی تردید میں علامہ سیوطی نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ قابلِ غور ہے:

هذه الآيات كلها في غير الاحكام الفرعية۔ فالظاهر ان مراد البلقيني انه عزيز في الاحكام الفرعية وقد

یہ ساری آیات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے فروعی احکام سے متعلق نہیں ہیں، اور ظاہر بات یہ ہے کہ بلقینی نے جو کچھ کہا ہے وہ فروعی احکام کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استخرجت من القرآن بعد الفكر آية فيها وهي وقوله حرمت عليكم امهاتكم الآية فانه لا خصوص فيها۔ (اتقان جلد دوم ص۱۶)	بارے میں ہے۔ میں نے پورے غور و فکر کے بعد قرآن مجید میں سے صرف ایک آیت ایسی نکالی جو احکام سے متعلق ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں یعنی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ.....

حافظ ابن قیم کا شمار اسلامی شریعت کے معروف ماہرین میں ہوتا ہے۔ وہ اس کے مزاج اور اس کی نزاکتوں اور باریکیوں سے پوری طرح واقف ہیں اور ان کی رائے پر اہلِ علم نے ہمیشہ اعتماد کیا ہے۔ انہوں نے دین میں "مصلحت و ضرورت" کے لحاظ پر جو فکر انگیز بحث کی ہے وہ گہرے غور و فکر کی محتاج ہے۔ جو اہلِ علم اسے دیکھنا چاہیں وہ اعلام الموقعین جلد سوم میں اُسے خود دیکھ سکتے ہیں۔

ہم یہاں اس کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے اس اصول کی وضاحت ہوتی ہے:

"زمان و مکان کے تغیر، حالات و نیات کے اختلاف اور عرف و عادات کی تبدیلی سے فتویٰ بدل جاتا ہے۔ اس حقیقت کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اس میں بڑے فوائد ہیں اور اس سے ناواقفیت کی بنا پر لوگوں نے بُری بُری ٹھوکریں کھائی ہیں۔ شریعت کے اندر تنگی اور ناقابلِ برداشت تکلیف کی جو مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہیں وہ اسی اصول سے صرفِ نظر کا نتیجہ ہیں۔ ہماری شریعت میں انسانی مصالح کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔"

(اعلام الموقعین جلد سوم ص۲۷)

اس کے بعد علامہ موصوف نے شریعت کے اس اصول کی تشریح میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاءِ کار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صلحاءِ امت رحمہم اللہ کی زندگیوں سے چند مثالیں پیش کی ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حکم دیا ہے کہ وہ برائی ہوتے دیکھے تو اس سے منع کرے۔ مقصود اس حکم کا یہ ہے کہ بُرائی کرنے والا نصیحت سن کر بُرائی کو ترک کر دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیکی کا راستہ اختیار کرے لیکن جب نصیحت کرنے والا یہ محسوس کرے کہ اُس کی نصیحت سے بُرائی میں اضافہ ہوگا تو ایسی حالت میں بُرائی سے منع کرنا خود ممنوع ہے، کیونکہ اگرچہ وہ کام بجائے خود بُرا ہے، مگر منع کرنا اس سے بھی زیادہ بڑی بُرائی کو جنم دیتا ہے۔ مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے منکرات کا ارتکاب ہوتا تھا، مگر آپ اُن کو مٹانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے اس لیے خاموش رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ جب مکہ فتح ہوگیا اور وہ دارالاسلام بن گیا تو آپ نے عمارتِ کعبہ میں تغیر و تبدل کرکے اُسے بنائے ابراہیمی پر قائم کرنے کا عزم فرمایا، لیکن قدرت و استطاعت کے باوجود حضورؐ صرف اس اندیشے کی بنا پر اس سے رُک گئے کہ کہیں نومسلم قریشی بدک نہ جائیں اور اسلام کو چھوڑ نہ بیٹھیں۔ اور اسی بنا پر حضورؐ نے حکام کی بُرائیوں کو طاقت سے روکنے کی اجازت نہ دی، کیونکہ اس سے عظیم تر بُرائی کے رُونما ہونے کا خطرہ ہے۔"

آگے چل کر علامہ ابنِ قیم فرماتے ہیں:

"پس انکارِ منکر کے چار درجے ہیں:

(۱) منکر زائل ہوجائے اور اُس کی جگہ معروف قائم ہو۔

(۲) منکر بالکلیہ تو زائل نہ ہوسکے لیکن اس میں کمی ہوجائے۔

(۳) منکر زائل ہو اور اس کی جگہ اسی درجے کا، اسی پیمانے کا دوسرا منکر برپا ہوجائے۔

(۴) ایک منکر کو مٹانے کے نتیجے میں اس سے بدتر اور خطرناک تر منکر اٹھ کھڑا ہو۔

اِن میں سے پہلے دو درجے تو مشروع ہیں، اور تیسرے درجے میں اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا اس صورت میں انکارِ منکر کیا جائے یا نہیں، مگر چوتھے درجے میں انکارِ منکر حرام ہے۔ مثلاً ..... اگر تم کسی شخص کو قصے کہانیوں کی کتابوں میں مستغرق پاؤ تو تمہیں اُسے ان سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن اگر تمہیں اس بات کا خطرہ لاحق ہو کہ اس طرف سے توجہ ہٹا کر وہ بدعت و ضلالات اور طلسم و جادو کی کتابوں کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رجوع کرے گا تو اسے پہلی قسم ہی کی کتابوں میں مصروف رہنے دو۔"

اسی ضمن میں حافظ ابن قیم نے اپنے استاد امام ابن تیمیہؒ کا ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز فتنۂ تاتار کے زمانے میں استاد محترم کا ایک ایسے مقام پر گزر ہوا جہاں تاتاری شراب پینے میں مشغول تھے۔ ایک رفیق نے انہیں اس برے فعل سے روکنا چاہا لیکن امام صاحب نے اسے روک دیا اور فرمایا کہ شراب اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے، اور یہاں حال یہ ہے کہ شراب کے نشے میں بدمست ہو کر یہ ظالم ایک بڑے فتنے یعنی قتلِ نفوس، سلبِ اموال اور عورتوں اور بچوں پر دست درازی سے رُکے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

(اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۸-۲۹)

حافظ ابنِ قیم کی ان تصریحات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شریعت نے منکرات کے درمیان شدت کے اعتبار سے فرق کیا ہے اور اگر کبھی کوئی ایسی صورت پیش آ جائے کہ دو برائیوں سے بیک وقت بچنا ممکن نہ ہو، یا ایک برائی سے بچنے کی کوشش ایک زیادہ بڑی برائی کے ظہور کی موجب یقینی نظر آتی ہو تو شریعت نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ انسان ناگزیر حد تک کم عزر رساں برائی کو زیادہ خطرناک برائی کے مقابلے میں وقتی طور پر گوارا کرے۔ اس قاعدے کو حافظ عبدالرحمٰن ابن رجب الحنبلی بڑے واضح الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

واذا اجتمع للمضطر محرمان کل منہما لا یباح بدون الضرورۃ وجب تقدیم اخفہما مفسدۃ واقلہما ضررًا لان الزیادۃ لاضرورۃ الیہا فلا یباح۔ (القواعد لابن رجب ص ۲۴۶ - الطبعۃ الاولیٰ مطبعۃ الصدق الخیریہ بمصر)	جب مضطر کے سامنے دو حرام چیزیں موجود ہوں اور اُن میں سے کوئی ایک بھی بغیر ضرورت کے جائز نہ ہو تو پھر اُس شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ اس شے کو مقدم کرے جو فساد کے اعتبار سے ہلکی اور ضرر کے اعتبار سے کم ہو۔ اس لیے کہ جس میں حرمت زیادہ ہے اُس کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں لہٰذا وہ جائز نہیں۔

اس اصول کی صراحت کے لیے انھوں نے یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر احرام کی حالت میں کسی شخص کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مردار اور شکار کے سوا کوئی تیسری چیز میسر نہ ہو اور وہ انہی دو چیزوں میں سے ایک کے کھانے پر مجبور ہو جائے تو امام احمدؒ کے قول کے مطابق اُسے شکار کو چھوڑ کر مُردار کھا لینا چاہیے، کیونکہ شکار کے کھانے میں اس شخص کو تین گناہوں کا ارتکاب کرنا پڑیگا یعنی شکار کرنا، اُس کا ذبح کرنا اور پھر اُس کا کھانا۔ مگر اس کے مقابلے میں مُردار کھانے سے وہ صرف ایک گناہ ہی میں ملوث ہوگا۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں: واذا وجد المحرم صیداً ومیتۃً فانہ یاکل المیتۃ نص علیہ احمد لان فی اکل الصید ثلاث جنایات صیدہ و ذبحہ واکلہ: واکل المیتۃ فیہا جنایۃ واحدۃ۔

اسی مسلک کی تائید اصولِ فقہ کے ہر صاحبِ نظر عالم نے کی ہے اور ٹھوس دلائل کے ساتھ اس کی صحت اور صداقت کو واضح کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم اپنی فاضلانہ تصنیف الاشباہ والنظائر میں اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے پہلے یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ الضرورات تبیح المحظورات "ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں (ص ۴۳) پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عالمِ مجبوری میں مردار کھانے، اور حلق میں لقمہ اٹک جانے کی صورت میں اگر شراب کے سوا اور کوئی سیال چیز موجود نہ ہو تو اسے پی لینے اور اگر جان پر آبنی ہو تو کلمۂ کفر تک زبان سے ادا کرنے کی جو اجازت شریعت میں دی گئی ہے اس کی بنیاد میں بھی اسی اصول کار فرما ہے۔ اس کے بعد علامۂ موصوف شریعت کا ایک دوسرا قاعدہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام (ص ۴۳) — عام نقصان کو دفع کرنے کے لیے خاص نقصان گوارا کر لیا جائے گا۔

اس کی وضاحت میں وہ عمل کی دنیا سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ کسی وقت اگر مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائی چھڑ جائے اور کفار مسلمانوں کے بچوں کو آگے لا کر اپنے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کریں تو مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ اُن پر گولہ باری کریں، خواہ اس سے مسلمان بچوں کا خونِ ناحق ہوتا نظر آئے، کیونکہ بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان کو برداشت کرنا ناگزیر ہے۔ معصوم بچوں پر تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ بلاشبہ ایک بہت بڑا گناہ ہے، اور خاص طور پر جب وہ مسلمان بچے بالکل بے بسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عالم میں غیروں کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے ڈھال کے طور پر استعمال کیے جا رہے ہیں، ان نوجوان کی حالتِ زار کے تصوّر ہی سے دل کانپ جاتا ہے، لیکن جب ان کی بے بسی اور مظلومیت سے دشمنانِ اسلام ناجائز فائدہ اٹھا کر اُمّتِ مسلمہ کو زیادہ بڑا نقصان پہنچانا چاہتے ہوں تو پھر ان نقل و حرکت کی معصوم کلیوں کی بے بسی کو اسلامی لشکر کے راستے میں حائل نہ ہونا چاہیے اور بڑے زیاں سے بچنے کے لیے خون کے یہ گھونٹ گوارا کر لینے چاہییں۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی ایسی دیوار تعمیر کی ہو جو عام لوگوں کے راستہ چلنے میں حائل ہوتی ہو تو اسلامی شریعت کے مطابق با اختیار حاکم اُس شخص کے حقِ ملکیت کو نظر انداز کر کے اُس دیوار کو گرا سکتا ہے۔ اسلام میں حقِ ملکیت کا جس قدر احترام ہے اُس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس حق کی حفاظت میں اگر ایک شخص جان دے دیتا ہے تو اُسے شہادت کا درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہاں دیکھیے کہ اگر کسی فرد کا حقِ ملکیت اجتماعی نقصان کا ذریعہ بن رہا ہو تو شریعت اُسے دفع کرنے کے لیے انفرادی نقصان کو گوارا کرتی ہے، کیونکہ وہ اہمیت میں اجتماعی نقصان سے کم تر ہے۔

اسی طرح اسلام لوگوں کو تجارت کی آزادی عطا کرتا ہے اور حکام قیمتیں مقرر کرنے کو جائز نہیں رکھتا۔ ہر صاحبِ علم جانتا ہے کہ شریعت کے اندر مال فروخت کرنے والوں کو ناحق کسی خاص قیمت پر فروخت کے لیے مجبور کرنا اور ایسی چیز سے انہیں روکنا جو اللہ نے ان کے لیے مباح کی ہے، ظلم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ممنوع ہونے کی تصریح خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمائی ہے جسے حضرت انسؓ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ غلّہ گراں ہو گیا لوگوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قیمتیں مقرر فرما دیجیے لیکن حضورؐ نے اس سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ ھو القابض الرازق الباسط	اللہ تعالیٰ ہی بند کرنے والا اور فراخی دینے والا،
المسعر وانی لارجوان القی اللہ ولا	رزق دینے اور نرخ مقرر کرنے والا ہے، میں چاہتا
یطالبنی احد بمظلمۃ ظلمتھا ایاہ فی	ہوں کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جاؤں تو کوئی
دم ولا مال۔ رواہ ابو داؤد والترمذی	شخص اپنے خون اور مال کے معاملے میں مجھ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ لابن قیم ص ۲۲۳ المطبعۃ الآداب والمؤید بمصر ۱۳۱۷ھ)

مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔

یہ حکم عام حالات کے لیے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ معمول کے مطابق خرید و فروخت کر رہے ہیں اور قیمتیں فطری طور پر چڑھ اور گر رہی ہیں تو اس معاملہ میں حکومت کو مداخلت نہ کرنی چاہیے۔ لیکن خاص حالات میں اگر تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قحط کی صورت پیدا کر دیں اور عوام کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضروریات زندگی کی قیمتیں جان بوجھ کر بڑھانی شروع کر دیں تو عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تسعیر (حکماً قیمتیں مقرر کرنے) کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ اس کی تصریح حافظ ابن قیم نے بھی الطرق الحکمیہ میں کی ہے (ص ۲۲۳-۲۲۴) اور علامہ ابن نجیم بھی اس کے متعلق صاف فرماتے ہیں کہ

ومنها التسعير عند تعدي ارباب الطعام في بيعه بغبن فاحش ومنها بيع طعام المحتكر جبرا عليه عند الحاجة و امتناعه من البيع دفعا للضرر العام۔

(الاشباہ والنظائر ص ۴۴ للعلامۃ زین ابن نجیم)

جب غلہ بیچنے والے غلے کی فروخت میں انتہائی بددیانتی سے کام لینا شروع کر دیں تو نہ صرف قیمتیں مقرر کرنا جائز ہے بلکہ ضرورت پیش آئے تو ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کا غلہ جبراً بیچ دینا اور انہیں بیع سے روک دینا بھی ضرر عام کو دفع کرنے کے لیے جائز ہے۔

علامہ ابن نجیم اور دوسرے فقہاء رحمہم اللہ نے اس ضمن میں احکامِ شریعت کے درمیان تقدیم و تاخیر کے لیے چند مزید اصول بھی بیان فرمائے ہیں جنہیں نگاہ میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اُن میں سے ایک اصول یہ ہے:

اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمهما ضررا بارتكاب اخفهما۔ قال الزيلعي ... ان من ابتلى ببليتين وهما متساويتان ياخذ بايتهما شاء وان اختلفا يختار اهونهما۔

جب دو برائیوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑ جائے تو لازم ہے کہ جو نسبتاً کم درجے کا مفسدہ ہو اُسے اختیار کر کے دوسرے بڑے مفسدے سے بچا جائے۔ امام زیلعی کہتے ہیں کہ جو شخص دو بلاؤں میں گھر جائے اور وہ دونوں ایک جیسی ہوں تو اُسے اختیار ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الاشباہ والنظائر للعلامۃ ابن نجیم ص ۴۴) کہ جسے چاہے چن لے اور اگر ان میں فرق ہو تو پھر کم درجے کی بلا کو بڑی کے مقابلے میں اختیار کر لیا جائے۔

اس کی مثال امام زیلعی نے نماز کے ایک مسئلے سے دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرض کیجیے کہ کسی شخص کی پیشانی پر زخم ہے اور اس سے پیپ بہتی ہے اب اگر وہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے زخم سے پیپ خارج ہونی شروع ہو جاتی ہے ایسی حالت میں اس شخص کو قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے اور صرف اشارے سے رکوع و سجود کرنا چاہیے۔ (الاشباہ والنظائر ص ۴۴)

اور دیکھیے قرآن مجید میں عورت کے پردے کے جو احکام ہیں ان کی رو سے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی غیر محرم عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے لیکن شریعت نے ضرورت کے وقت اسے جائز ٹھیرا دیا ہے چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ھدایہ کے حصہ چہارم، کتاب الکراھیۃ میں اس جواز کا بڑی صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہے:

یجوز للقاضی اذا اراد ان یحکم علیھا وللشاھد اذا اراد الشہادۃ علیھا النظر الی وجھھا وان خاف ان یشتھی للحاجۃ الی احیاء حقوق الناس بواسطۃ القضاء واداء الشہادۃ۔

قاضی کے لیے جائز ہے کہ اگر کسی عورت کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لیے ضرورت ہو یا اس کی گواہی لینی ہو تو اس کے چہرے پر نگاہ ڈالے، خواہ اس سے شہوانی جذبات پیدا ہو جانے کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ ایسا کرنا عدالت اور شہادت کے ذریعے سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے ضروری ہے۔

یہ اجازت صرف حاکم عدالت ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ حکیم اور ڈاکٹر کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: "یجوز للطبیب ان ینظر الی موضع المرض منھا للضرورۃ" اور طبیب کے لیے بوقت ضرورت یہ جائز ہے کہ عورت کے جسم کا وہ حصہ دیکھے جہاں مرض ہو۔

اور اس عبارت کے نیچے شارح ہدایہ نے لکھا ہے:

وان کانت تحت السرۃ الی الرکبۃ

اگر چہ وہ مقام زیر ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہی کیوں نہ ہو۔

اسی ضمن میں ذرا شمس الائمہ سرخسی کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ فقہاء کے درمیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اصول کے معاملے میں کتنی ہم آہنگی ہے:

ان المرأة من قرنها الی قدمها عورة۔ هو القیاس الظاهر والیه اشار رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال المرأة عورة مستورة۔ ثم ابیح النظر الی بعض المواضع منها للحاجة والضرورة فکان ذالك استحسانًا۔ (المبسوط مطبعة السعادة، مصر جلد ۱۰ ص ۱۴۵)

صنفِ نازک سر سے پاؤں تک عورت ہی ہے۔ یہ قیاس ظاہر ہے اور اس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اشارہ فرمایا ہے کہ "عورت تو عورت مستورہ ہے" لیکن حاجت اور ضرورت کے وقت اس قیاس ظاہر کو چھوڑ کر اس کے بعض اعضاء پر نگاہ ڈالنا جائز کر دیا گیا ہے اور اسی کا نام استحسان ہے۔

یہ استحسان کا اصول جسے فقہاء حنفیہ نے بکثرت استعمال کیا ہے، امام سرخسی اس کی حسبِ ذیل تعریفات اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں۔

الاستحسان ترك القیاس والاخذ بما هو اوفق للناس۔ وقیل الاستحسان طلب السهولة فی الاحکام فیما یبتلی فیه الخاص والعام، وقیل الاخذ بالسماحة وابتغاء ما فیه الراحة وحاصل هذه العبارات انه ترك العسر للیسر وهو اصل فی الدین۔ قال الله تعالی یُرِیدُ اللهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ وقال صلی الله علیه وسلم خیر دینکم الیسر۔ وقال لعلی و معاذ رضی الله تعالی عنهما حین وجههما الی الیمن یسرا ولا تعسرا قربا ولا تنفرا (المبسوط مطبعة السعادة مصر جلد ۱۰ ص ۱۴۵)

استحسان یہ ہے کہ بظاہر قیاس کسی معاملہ میں جس حکم کا تقاضا کرتا ہو اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کیا جائے جو لوگوں کی ضرورتوں کے زیادہ موافق ہو اور بعض فقہاء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ استحسان ان صورتوں میں سہولت تلاش کرنا ہے جن میں خاص و عام کسی مشکل میں مبتلا ہوں۔ اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ استحسان وسعت کو اختیار کرنے اور فراخی کو تلاش کرنے کا نام ہے۔ ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ استحسان سے مقصود تنگی سے بچ کر سہولت کی راہ اختیار کرنا ہے اور یہی دین میں اصل قاعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللہ تمہارے لیے آسانی اور سہولت چاہتا ہے تم کو دشواری اور مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا" حضورؐ نے بھی فرمایا ہے "تمہارا اچھا دین آسانی ہے" اور حضورؐ نے حضرت علیؓ اور معاذؓ کو جب یمن بھیجا تو فرمایا: "لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا، انہیں قریب لانا، متنفر نہ کرنا۔"

(باقی صہ ۶۵ پر)

© rasailojaraid.com